خصوصی تجزیہ

نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء پر اعتراضات کا

----ایک علمی محاکمہ----

پروفیسر خورشید احمد

قسط (۱)

پارلیمنٹ میں "نفاذِ شریعت بل" پیش ہوتے ہی ملک میں بحث کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا' جو اس کے ایکٹ بن جانے کے بعد بھی جاری ہے۔ یہ سلسلہ کوئی نیا سلسلہ نہیں۔ جب بھی نفاذ شریعت کا مطالبہ ہوا ہے' یا اس کا امکان پیدا ہوا ہے' یا اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھایا گیا ہے' اسی طرح بحث کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اور نہ آج کوئی ایسی نئی بات کہی جا رہی ہے' جو پہلے نہ کہی گئی ہو۔

اس بحث میں شریک ہونے والے ----- کچھ وہ لوگ ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ نفاذ شریعت ایکٹ کے قانون بنتے ہی نفاذِ شریعت کا وہ وعدہ پورا ہوگیا جو قیامِ پاکستان کے وقت کیا گیا تھا' اور جس کا اعادہ پورے زور شور سے ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے دوران کیا گیا تھا۔ اور اس طرح قوم کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونا شروع ہوگیا ہے۔ یہ طبقہ اربابِ اقتدار کا ترجمان ہے اور اس وقت اس سے تعرض کرنا ہمارے پیشِ نظر نہیں ------ کچھ اور لوگوں کے نزدیک اس ایکٹ سے نفاذِ شریعت کے عمل میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی ہے' نہ ہوگی۔ ان کے نزدیک یہ اقدام ناکافی' غیر تسلی بخش اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ جس طرح اور جس انداز میں یہ ایکٹ پاس ہوا ہے' اس کی روشنی میں ان کے احساس کو بے وزن کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا ----- تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو سرے سے نفاذ شریعت چاہتے ہی نہیں' یا اس کے مخالف ہیں۔ وہ شریعت بل کی مخالفت کی آڑ میں دراصل شریعت کے نفاذ اور معاشرہ و ریاست میں قرآن و سنت کی بالا دستی کی مخالفت کرتے ہیں۔ کہیں تھیوکریسی' کہیں مُلّا کریسی' کہیں دستور' پارلیمنٹ کی بالا دستی اور بنیادی حقوق' کہیں عدالتوں کے حق کے چھین لیے جانے کی دھائی دے کر' اور ان کے ختم ہوجانے کے موہوم اور بے بنیاد اعتراضات کی آڑ میں وہ انتہائی چابکدستی سے ایک ناواقف آدمی کے ذہن کو مسموم کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اس تیسرے گروہ کی طرف سے جو بحث ملک میں پچھلے چند مہینوں میں ہوئی ہے اور جو باتیں

خود پارلیمنٹ میں کی گئی ہیں (بشمول اس اختلافی نوٹ کے جو اسمبلی کے چند ارکان نے سلیکٹ کمیٹی (Select Committee) کی رپورٹ کے ساتھ پیش کیا) وہ اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ اس ایکٹ اور اس کے بارے میں کی جانے والی ان کی باتوں کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے تاکہ نہ صرف ایکٹ ہی نہیں بلکہ خود نفاذِ شریعت کے بارے میں ملک میں جو سوال اٹھائے گئے ہیں اور جو بحثیں برپا کی گئی ہیں ان کا محاکمہ کیا جاسکے' اور جہاں کہیں کچھ حقیقی غلط فہمیاں یا اُلجھنیں پائی جاتی ہیں ان کو دور کیا جاسکے۔ دراصل شریعت بل کی آڑ میں لادینی لابی (Secular Lobby) خود شریعت کو ہدف بنا رہی ہے اور اسلام کے مقابلہ میں لادینیت (Secularism) اور لبرل ازم (Liberalism) میں ملک کے سیاسی مستقبل کو تلاش کر رہی ہے۔ ضروری ہے کہ اس شر انگیز کوشش کا پردہ چاک کیا جائے۔ نیز اسلام اور اس کے قانون کے بارے میں جو غلط بیانیاں اور شر انگیزیاں (INSINUATION) کی جا رہی ہیں ان کا مثبت جواب دیا جائے۔

○

جب بھی شریعت حقیقتاً نافذ ہوگی' اسے ملک کے اعلیٰ ترین قانون کی حیثیت لازماً حاصل ہوگی۔ اس کے علی الرغم کہ دستور میں لکھے بغیر یہ بات کتنی مؤثر ہوگی' موجودہ شریعت ایکٹ کا سب سے اہم پہلو یہی ہے کہ اس میں شریعت کو "پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون" (Supreme Law of Pakistan) تسلیم کیا گیا ہے۔

پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ء میں اسلام کو مملکت کا سرکاری مذہب تسلیم کیا گیا ہے (دفعہ ۲)۔ پھر ۱۹۸۵ء میں قرار دادِ مقاصد (objectives Resolution) کو دستور کا قابلِ تنفیذ (Operative) حصہ قرار دیا گیا ہے (دفعہ ۲۔ الف)۔ پارلیمنٹ کو پابند کیا گیا ہے کہ ملک میں کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے احکام کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ نیز یہ کہ تمام مروّجہ قوانین کو قرآن و سنت کے احکام کے مطابق تبدیل کیا جائے گا (دفعہ ۲۲۷)۔ ملکی قوانین کے احکامِ اسلام سے متصادم یا مطابق ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے ۱۹۸۰ء میں وفاقی شرعی عدالت (Federal Sharia Court) قائم کی گئی (دفعہ ۲۰۳۔ الف)۔ ان تمام دستوری دفعات کا تقاضا ہے کہ شریعت کو ملک کا بالاتر قانون صاف لفظوں میں تسلیم کیا جائے تاکہ اس امر کو تعبیر کے نتیجہ میں اخذ نہ کیا جائے بلکہ دستور کی واضح نص کے ذریعہ متعین کردیا جائے۔ ۱۹۸۵ء میں آٹھویں ترمیم کے وقت اسی امر کا مطالبہ کیا گیا تھا' اور اس وقت قومی اسمبلی اور سینٹ نے علیحدہ علیحدہ قرار دادوں کے ذریعہ اس اصول کو تسلیم کیا تھا کہ قرآن و سنت ملک کا بالا تر قانون

تسلیم کئے جائیں گے' لیکن اس وعدہ کو پورا نہیں کیا گیا۔ اب شریعت ایکٹ کے ذریعہ دستور کے اس منشاء کو قانون کا درجہ دیا گیا ہے' مگر حقیقی معنوں میں قرآن و سنت کو بالا تر قانون Supreme Law کی حیثیت ابہام اور تنازع سے پاک اسی وقت حاصل ہوگی جب اس بات کو صاف الفاظ میں دستور ہی میں لکھا جائے۔ اس دستوری ترمیم کا وعدہ وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف صاحب نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس (۱۰ اپریل ۱۹۹۱ء) میں عمرہ کے لئے تشریف لے جانے سے پہلے واضح الفاظ میں کیا تھا۔ شریعت ایکٹ کے ذریعہ اس مطالبہ کے تسلیم کئے جانے کا جو مرحلہ طے ہوا ہے وہ کمزور اور ناقص ہے۔ اب اصل کام اس وقت ہوگا جب دستور میں بھی یہ شامل کیا جائے کہ قرآن و سنت ہر قانون سے' بشمول دستور کے' بالا تر قانون ہوں گے۔

○

شریعت ایکٹ کے مخالفین نے اس دفعہ کو خصوصیت سے اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں ان کے اعتراضات پر کلام کیا جائے۔ ہم معترضین کے محرکات پر بات نہیں کریں گے البتہ ہماری کوشش ہوگی کہ جو علمی اعتراضات اس دفعہ پر کئے گئے ہیں ان کا تعاقب کریں۔ بنیادی طور پر پانچ اعتراضات ہیں جو اس دفعہ پر کئے گئے ہیں:

۱۔ پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ قرآن و سنت ملک کے قانون کا ماخذ (Sources of Law) ہوسکتے ہیں' ملک کا بالا ترین قانون (Supreme Law) نہیں۔ اس لیے شریعت کو ملک کا بالا ترین قانون کہنا صحیح نہیں۔ اس موقف کی تائید میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن پاک میں احکام کے علاوہ امم سابقہ کے قصص و حکایات' اخلاق و اصول' ترغیب و ترہیب' انفس و آفاق کے شواہد سب ہی کچھ موجود ہے۔ اس بناء پر اسے بالاتر قانون نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن و سنت قانون کا اعلیٰ ترین ماخذ ہیں' خود قانون نہیں۔ مزید دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن نے اپنے بارے میں یہ نہیں کہا کہ وہ قانون ہے بلکہ اس نے اپنے آپ کو صرف ہدایت کہا ہے۔

۲۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علماء اور خصوصیت سے اسلامی دستور کا مطالبہ کرنے والوں نے قیام پاکستان کے بعد سے قرآن و سنت کے ماخذ قانون بنائے جانے کا مطالبہ تو کیا ہے' مگر بالاتر قانون بنانے کا نہیں کیا۔ یہ ایک بالکل نئی بات ہے جو اب کہی جا رہی ہے۔

۳۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ شریعت کو بالا ترین قانون ماننے کے معنی یہ ہیں کہ پارلیمنٹ قانون سازی کے حق سے محروم ہوجائے گی اور یہ پارلیمنٹ کی بالادستی کے خلاف ہے۔

۴ ۔ چوتھا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ——— چونکہ اس کے نتیجہ میں عدالتیں شریعت کے نفاذ میں بلاواسطہ شریک ہوجائیں گی اور خلاف شریعت قوانین کو کالعدم کرسکیں گی اس لئے ان کا یہ حق دراصل پارلیمنٹ کی بالاتر حیثیت کو مجروح کرے گا۔ اس طرح ایک قسم کی دو عملی وجود میں آئے گی، جس سے بہت خلفشار پیدا ہوسکتا ہے ۔

۵ ۔ ایک اور اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ عدالتوں کو شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار تو دیا جا رہا ہے لیکن عدالتوں، خصوصاً" نچلی عدالتوں (Lower Courts) کے مجسٹریٹ اور جج حضرات شریعت کا کافی علم نہیں رکھتے، اور وہ شریعت کی تعبیر و تشریح میں فاش غلطیاں کرسکتے ہیں ۔ اس سے بھی ذہنی خلفشار اور قانونی الجھاؤ اور ژولیدہ فکری پیدا ہوگی ۔ یہ صورت حال نفاذ شریعت کے لیے ممد و معاون نہیں ہوگی ۔

○

ہماری نگاہ میں شریعت ایکٹ کی سب سے اہم، بلکہ اصل دفعہ، یہی ہے جو شریعت کو ملک کا بالاتر قانون قرار دیتی ہے ۔ اسلامی نظام اور دوسرے نظاموں میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ اسلام اللہ کی حاکمیت کے اصول کو قائم کرتا ہے۔ اسلام نام ہی اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام معاملات میں " حکم " یعنی اصل فیصلہ کرنے والا قرار دیتا ہے ۔ نہ فرد اصل فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے اور نہ پارلیمنٹ یا عدالت ——— بلکہ سب اللہ کو اصل فیصلہ کرنے والی قوت تسلیم کرتے ہیں اور اس کے معنی قرآن و سنت کو ——— پورے قرآن کو نہ کہ اس کے کسی جز کو اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنت کو نہ کہ اس کے ایک حصہ کو ——— فرقان یعنی حق و باطل میں تمیز کرنے والا ماننا ہے ۔ قرآن اس حقیقت کو بہت صاف الفاظ میں بیان کرتا ہے :

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (سورۃ یوسف ۴۰

حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں ۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت (پرستش، بندگی اور اطاعت) نہ کرو ۔ یہی صحیح دین ہے ۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ..... هُمُ الْفَاسِقُونَ ..

... هُمُ الظَّالِمُونَ (المائدۃ ۔ ۴۴)

جو اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی دراصل کافر

ہیں .... وہی فاسق ہیں ..... وہی ظالم ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء ـ ۱۰۵)

ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس علم کے ساتھ فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے دیا ہے۔

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (الشوریٰ ـ ۱۵)

اور (اے نبیؐ) کہو کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان (اس کتاب کے مطابق) عدل کروں۔

ستم ظریفی ہے کہ کہا گیا ہے کہ قرآنِ پاک نے اپنے آپ کو قانون نہیں کہا ' بلکہ صرف ہدایت کہا ہے۔ حالانکہ قرآن اپنے بارے میں صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ وہ اللہ کا قانون ہے اور فیصلہ کی میزان اور کسوٹی ہے۔ قرآن کے لئے الکتاب کا لفظ ساٹھ سے زیادہ بار استعمال ہوا ہے۔ کتاب کے معنی فرض اور حکم کے بھی ہیں۔ خود قرآن پاک میں کتاب کا لفظ قانون خداوندی اور حکم کے معنی میں متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ مثلاً اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء ـ ۱۰۳) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرہ ۱۸۳) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (البقرہ ـ ۲۱۶)

مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب " عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی" میں اس پر مفید بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ

> " ~~کتاب کے معنی فرض اور~~ حکم کے بھی ہیں۔ جرمن لفظ (Vorschrift) اور فرانسیسی اور انگریزی لفظ (Prescription) روسی لفظ "پرید ہسیانیئے" اور ہسپانوی لفظ (Prescripcion) (بمعنی فرض و حکم) کا مادہ بھی کتاب ہی کے معنی رکھتا ہے" (صفحہ ۸۲)

قرآنِ مجید نے اپنے لئے حکم اور فرقان کی اصطلاحیں جب بھی استعمال کی ہیں' یہ اس کے بالا تر قانون اور فیصلہ کرنے والی آخری اتھارٹی ہونے کی حیثیت کو ثابت کرتی ہیں (ملاحظہ ہو امام راغب اصفہانی۔ المفردات)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (النّور ـ ۵۱)

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف تاکہ رسولؐ ان کے درمیان فیصلہ کرے، تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے تسلیم کرلیا۔

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (النساء ۔ ۶۵)

پس اے نبیؐ! تیرے رب کی قسم، وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے تمام معاملات میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر جو فیصلہ تو کرے اس کی طرف اپنے دل میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں بلکہ اسے بسرو چشم قبول کرلیں۔

اور اس بات کو دوسری جگہ فرما کر قرآن و سنت کے بالاتر قانون ہونے کے اصول کو خود قرآن نے ہمیشہ کے لئے طے کردیا:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا (الاحزاب ۳۶)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسولؐ کردے تو پھر ان کے لئے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کرلینے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑگیا۔

وہ معترضین جو اس ایکٹ میں قرآن و سنت کے بالاتر قانون لکھنے پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں، ہم ان کو دعوت دیتے ہیں کہ قرآن پاک کی مندرجہ بالا نصوص پر کھلے ذہن سے غور کریں اور پھر سوچیں کہ کیا قرآن بعینہٖ اس بات کا مطالبہ نہیں کرتا کہ اسے بالاتر قانون ہی تسلیم کیا جائے؟۔ اس کے ساتھ اس آیت کریمہ پر بھی غور کرلیں تو انہیں اپنی پوزیشن پر نظر ثانی کرنے میں مدد ملے گی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (آل عمران ۔ ۲۳)

تم نے دیکھا نہیں کہ جن لوگوں کو کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے

ان کا حال کیا ہے ؟ انہیں جب کتابِ الٰہی کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے ' تو ان میں سے ایک فریق پہلو تہی کرتا ہے اور اس فیصلہ کی طرف آنے سے منہ پھیر جاتا ہے ۔

جب قرآن خود اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ اسے بالاتر قانون مانا جائے تو پھر کوئی اور دلیل لانے کی حاجت نہیں ۔ دستور میں قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی کا دروازہ ضرور بند کیا گیا ہے ' مگر مثبت طور پر قرآن کو بالاتر قانون قرار نہیں دیا گیا ' جو اس کا حقیقی مقام ہے ۔ شریعت ایکٹ شریعت کی اس حیثیت کو واضح کر دیتا ہے ۔ مگر یہ ضروری ہے کہ اسی بات کو دستور میں بھی واضح الفاظ میں درج کیا جائے ' تاکہ کسی دائرے میں بھی کسی طرح کا کوئی ابہام باقی نہ رہے ۔

○

کہا گیا ہے کہ یہ کوئی نئی بات ہے جو پہلے نہیں کہی گئی ۔ لیکن یہ اعتراض بھی حقائق سے مناسبت نہیں رکھتا ۔ اہلِ علم ہر دور میں اسلامی حکومت اور ریاست کی یہی تعریف بیان کرتے رہے ہیں کہ اس میں قرآن و سنت کو بالا ترین قانون تسلیم کیا جاتا ہے ۔

مولانا حامد الانصاری غازی ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہونے والی کتاب "اسلام کا نظامِ حکومت" میں کہ جو تقسیم ملک سے قبل شائع ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی کئی بار شائع ہو چکی ہے' امام ابو حنیفہؒ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ " اسلام کا مقصد اسلام کی حکومت کے علاوہ کچھ نہیں ۔ اسلام کی حکومت کا مفہوم کیا ہے ' صرف یہ کہ ہم سب خدا کے اطاعت گزار اور خدا کی حکومت کے حکمبردار ہیں" (**الاسلام ھو التسلیم والانقیاد لاوامر اللہ تعالیٰ ۔ فقہ اکبر ص ۷۹**)

(اسلام کا نظام حکومت ۔ تیسرا ایڈیشن صفحہ ۴۴)

یہی مصنف قرآن پاک کے " قانونِ کلی " ہونے پر مفصل بحث کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ

" قرآنِ حکیم اسلام کا قانون کلی ہے " **(صفحہ ۱۲۹)**

" قرآنِ عظیم کی قانونی حیثیت صاف اور شک و شبہ سے بالاتر ہے ۔ ہمیں اس کے صفحات میں مقنن اعلیٰ کے جو فرامین ملتے ہیں ان سے اس دعویٰ کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب روحانیت اور اخلاق کی طرح تہذیب و تمدن کا ضابطہ اور حکومت اور سلطنت کا قانون کلی ہے "

(صفحہ ۱۷۳)

" اسلامی حکومت ' اپنی حکمت عملی کے قلمرو میں ' ایک مکمل ' بلند و بالاتر ' تحریری مجموعہ قانون (قرآن حکیم اور کتاب مسطور) کی پابند ہے " (صفحہ ۱۷۱)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ سنت اور قانون سازی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآن مجید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کو اسوۂ حسنہ اور قانون کی حیثیت دی ہے۔" (عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی (۱۹۸۱ء) صفحہ ۱۳۰)

محمد اسعد (Leopold Weis) اپنی کتاب "اسلامی مملکت و حکومت کے بنیادی اصول" (ترجمہ مولانا غلام رسول مہر، لاہور ۱۹۶۳ء) میں لکھتے ہیں:

"اسلام نے مسلمانوں پر لازم قرار دے دیا ہے کہ وہ اپنے تمام فیصلوں کو اس الٰہی قانون کی رہنمائی کے تابع رکھیں جو قرآن لے کر آیا ہے اور جس پر عمل کا نمونہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات بابرکات نے پیش کیا۔ اس وجہ سے امت کے حق قانون سازی پر قطعی پابندیاں عائد ہو گئیں اور ارادہ عوام کو بالاتری حاصل نہ رہی جو مغرب کے تصور جمہوریت کا لاینفک جزو ہے۔" (کتاب مذکور۔ صفحہ ۳۹)

○

ہم نے یہ حوالہ جات ان اہل علم کے دیے ہیں جو مطالبہ دستور اسلامی سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے تاکہ خالص علمی پوزیشن واضح ہو جائے۔ رہا معاملہ تحریک اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا' تو انہوں نے شروع ہی سے یہ بات کہی تھی کہ شریعت بالاتر قانون ہے' اور اس کا دستور کی زبان سے اظہار ضروری ہے۔ بلاشبہ انہوں نے قرآن و سنت کے ماخذ قانون ہونے کی بات بھی کہی ہے' لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ قرآن و سنت کو بالاتر قانون تسلیم کیا جانا چاہیے۔ اسلام کے مقاصد کی تکمیل دونوں باتوں کے تسلیم کیے جانے سے ہوتی ہے۔ اپنی اس تاریخی تقریر میں جو "پاکستان میں اسلامی قانون کا نفاذ کس طرح ہو سکتا ہے؟" کے موضوع پر لاء کالج لاہور میں ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو کی گئی تھی اور جس سے مطالبۂ نظامِ اسلامی کی مہم کا آغاز ہوا تھا مولانا مودودیؒ نے کہا تھا کہ ملک کی دستور ساز اسمبلی باقاعدہ اس امر کا اعلان کرے کہ

"ریاست کا اساسی قانون شریعتِ خداوندی ہے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں پہنچی ہے۔" (اسلامی قانون صفحہ ۵۲)

فروری ۱۹۵۸ء میں جو بین الاقوامی مجلس مذاکرہ لاہور میں منعقد ہوئی تھی اس میں مولانا مودودیؒ نے "اسلام میں قانون سازی کا دائرہ عمل" کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے اپنے مقالہ میں فرمایا:

"اسلام اپنی ساری دعوت ہی اس بنیاد پر اٹھاتا ہے کہ انسان کو اپنی اخلاقی اور اجتماعی زندگی میں خدا کے اس قانون شرعی کو تسلیم کرنا چاہیے۔ جو اس نے اپنے انبیاء کے ذریعے سے بھیجا ہے۔ اس قانون شرعی کو ماننے' اور اس کے مقابلہ میں اپنی خود مختاری سے دست بردار ہو جانے کا نام وہ "اسلام" رکھتا

ہے' اور صاف صاف الفاظ میں انسان کے اس حق کا انکار کرتا ہے کہ جن معاملات کا فیصلہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کردیا ہو' ان میں وہ خود اپنی رائے سے کوئی فیصلہ کرے"۔

(اسلامی ریاست صفحہ ۴۴۰)

پھر اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے صاف الفاظ میں انہوں نے کہا

"یہی محمدی تعلیم (یعنی قرآن و سنت) وہ بالاتر قانون (Supreme Law) ہے جو حاکم اعلیٰ کی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے۔"

(اسلامی ریاست صفحہ ۴۴۰)

یہ چند اقتباس اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ قرآن و سنت کو بالاتر قانون تسلیم کرنا ہمارے مطالبہ میں ہمیشہ شامل رہا ہے۔ البتہ مخصوص حالات کی بناء پر جس موقع پر جتنی بات منوائی جاسکی اس کی کوشش کی گئی۔ سابقہ ۴۰ سال کے تجربے سے یہ سبق ملتا ہے کہ قانون اور دستور میں واضح الفاظ میں شریعت کو بالاتر قانون تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ یہی وہ صورت ہے جس میں مقننہ اور عدلیہ دونوں نفاذِ شریعت کے عمل میں بیک وقت مؤثر ہو سکیں گے۔

ایک ضروری تصحیح

رسائل و مسائل حصہ اوّل

ایک نیک دل کرم فرما نے خط میں توجہ دلائی ہے کہ رسائل ومسائل حصہ اوّل ص ۶-۳۹۵ پر سورۂ توبہ کی آیت ۲۴ کے نقل کرنے میں ایک لفظ چھوٹ گیا ہے۔ یعنی قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ ..... الخ ... میں لفظ ازواجکم درج نہیں ہوا جو اخوانکم کے بعد اور عشیرتکم سے پہلے ہونا چاہئے۔ مزید لغزش یہ ہوئی کہ ترجمے میں اخوانکم اور ازواجکم' دونوں کا ترجمہ غائب ہے۔

ان اغلاط کی تصحیح کے لئے اسلامک پبلیکشنز کو مطلع کر دیا گیا۔

بعدازاں ہم نے ترجمان القرآن جلد ۲۷ عدد ۱'۲ (ماہ جولائی و اگست ۴۵ء) کے رسائل و مسائل کے صفحات کو دیکھا جہاں سے یہ سوال جواب نقل ہوا تھا۔ اس میں آیت ۲۴ (سورہ توبہ) تو مُستفسر نے اپنے خط میں لکھی ہے اور وہی لفظ ازواجکم کو چھوڑ گئے ہیں۔ پروف ریڈر بھی اس غلطی پر متوجہ نہ ہو سکے۔ لیکن آیت کا ترجمہ وہاں ٹھیک درج ہے۔ معلوم نہیں اس میں غلطی کس طرح پیدا ہوئی۔

ویسے اگر یہ مولانا مودودیؒ کی تحریر ہوتی تو غالباً وہ خود چیک کرتے۔

قارئینِ ترجمان القرآن میں سے جو اصحاب فائل رکھتے ہوں وہ متعلقہ شمارہ میں تصحیح فرمالیں۔

(ادارہ)